Globethics Repository

Al-Qaul al-Qawi fi sama'I al-hasan 'an al-'Ali 1 (The Strong Statement on the hearing of Hasan from Ali RA) (Part 1)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-09-24 01:04:17
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/184783

عقیدۂ توحید

کے

سات اَرکان

﴿سورۂ اخلاص کی روشنی میں﴾

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَولَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الْخَلقِ کُلِّهِمِ

دَعَا اِلَی اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِکُونَ بِهٖ

مُسْتَمْسِکُونَ بِحَبْلٍ غَیرِ مُنْفَصِمِ

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	عقیدۂ توحید کے سات اَرکان
خطبات و دراسات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری
تحقیق و تخریج	:	محمد تاج الدین کالامی، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	اکتوبر 2006ء
تعداد	:	1,100
قیمت اِمپورٹڈ کاغذ	:	-/45 روپے

✿ ✿ ✿

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

فہرس

مشتملات	صفحہ
پہلا رکنِ توحید: واسطۂ رسالت	۹
عقیدۂ توحید کے لئے واسطۂ رسالت کی ناگزیریت	۹
۱۔ ’’قُل‘‘ عنوانِ رسالت ہے اور ’’ھُوَاللہ‘‘ عنوانِ توحید	۹
۲۔ وحدت، وحدانیت اور توحید کا مفہوم	۱۰
۳۔ واحد اور توحید کے درمیان معنوی ربط	۱۲
۴۔ وحدت اور توحید میں فرق	۱۴
۵۔ لوگوں نے مظاہرِ فطرت کو معبود بنا لیا	۱۴
۶۔ ذاتی علم اور تحقیق کی بناء پر خالق کی پہچان ایمان نہیں	۱۶
۷۔ پیغمبر کے واسطے سے خالق کی پہچان ایمان ہے	۱۷
۸۔ عقیدۂ توحید خود وسیلۂ رسالت کا طالب ہے	۱۹
۹۔ ایمان ذاتی علم کی بجائے خبرِ رسول ﷺ پر انحصار کا نام ہے	۱۹
۱۰۔ اقرارِ توحید سے قبل صدقِ رسالت ﷺ کا اقرار	۲۲
۱۱۔ مخبر کا نام رسول اور خبر کا نام توحید ہے	۲۳
۱۲۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ: عقیدۂ توحید پر قطعی شہادت ہے	۲۴

صفحہ	مشتملات
۲۶	۱۳۔توحید پر حضور نبی اکرم ﷺ کی گواہی اصالۃً ہے
۲۶	۱۴۔توحید پر امتِ مسلمہ کی گواہی نیابۃً ہے
۲۷	۱۵۔حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ خالق و مخلوق ہیں
۲۷	۱۶۔حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ انبیاء و امم ہیں
۲۸	۱۷۔توحید کے باب میں واسطۂ نبوت کا انکار کفر ہے
۳۰	دوسرا رکنِ توحید: ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا
۳۰	۱۔ضمیرِ غائب ''ھُوَ'' کے استعمال کی حکمتیں
۳۱	بُعد معنوی کا مفہوم
۳۱	انسانی ذرائع علم کی حقیقت اور ان کی اقسام
۳۱	حواس خمسہ ظاہری
۳۳	حواس خمسہ کے لئے عقل کی ناگزیریت
۳۴	۲۔ ''ھُوَ اللہ'' عقل کے ادراک سے بلند ہے
۳۴	۳۔ ''ھُوَ اللہ'' حواسِ باطنی کے ادراک سے بھی بلند ہے
۳۴	حواس خمسہ باطنی
۳۶	انسان اور اس کی بساط علم
۳۸	۴۔ ''ھو اللہ'' کی معرفت وجدان کے ادراک سے بھی بلند ہے

www.MinhajBooks.com

مشتملات	صفحہ
۵۔ ''ھُوَ'' کی معرفت کے لئے ''ھذا'' کو بھیجا گیا	۳۹
۶۔ ''ھُوَ'' ادراک کا نہیں ایمان بالغیب کا موضوع ہے	۴۱
بیانِ توحید میں اسمِ ذات کے استعمال کی حکمت	۴۲
تیسرا رکنِ توحید: اَحَدِیت (اللہ کا ایک ہونا)	۴۴
مذاہبِ عالم میں اللہ کی وحدانیت کا تصور	۴۴
چوتھا رکنِ توحید: صَمَدِیت (اللہ کا بے نیاز اور سب پر فائق ہونا)	۴۶
خالق اور مخلوق کی صفاتِ مشترکہ	۴۷
مشترک اور غیر مشترک صفات کی ماہیت میں فرق	۴۹
پانچواں رکنِ توحید: لَا وَالِدِیت (کسی کا والد نہ ہونا)	۵۱
چھٹا رکنِ توحید: لَا وَلَدِیت (کسی کی اولاد نہ ہونا)	۵۴
ساتواں رکنِ توحید: لَا کُفُوِیت (کسی کا اُس کا ہمسر و ہم رُتبہ نہ ہونا)	۵۶
مآخذ و مراجع	۵۷

www.MinhajBooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ توحید قرآن حکیم کے بنیادی اور اساسی موضوعات میں سے ہے۔ اِس مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے اگرچہ قرآن حکیم کی متعدد آیاتِ بینات میں دلائل و براہینِ قاطعہ موجود ہیں لیکن سورۃ الاخلاص میں اللہ رب العزت نے اپنی توحید کا جو جامع تصور عطا فرمایا ہے وہ کسی اور مقام پر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ توحید بھی کہتے ہیں۔ اس سورہ میں توحید کے سات بنیادی ارکان بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ان ارکانِ سبعہ کو ملا لیا جائے تو عقیدۂ توحید مکمل ہو جاتا ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک رکن کی بھی عقیدتاً خلاف ورزی ہو جائے تو توحید باقی نہیں رہتی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ○ لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ○ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○(1)

’’(اے نبی مکرّم!) آپ فرما دیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے○ اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے○ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے○ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے○‘‘

اس سورت میں بیان شدہ توحید کے ارکانِ سبعہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ واسطۂ رسالت
۲۔ ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا
۳۔ احدیّت
۴۔ صمدیّت
۵۔ لا وَلَدیّت
۶۔ لا والدیّت
۷۔ لا کفویّت

---

(۱) الاخلاص، ۱۱۲: ۱۔۴

پہلا رکنِ توحید: واسطۂ رسالت

عقیدۂ توحید کے لیے واسطۂ رسالت کی ناگزیریت

سورۂ اخلاص کا آغاز لفظِ ’’قُل‘‘ سے کیا گیا جس کا معنی ہے: ’’(اے نبیِّ مکرّم!) آپ فرما دیجئے۔‘‘ کیا فرما دیجئے؟

هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○

’’وہ اللہ ہے جو یکتا ہے○‘‘

یہ مختصر مضمون جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یعنی اس کے ایک ہونے کو بیان کر رہا ہے، اس کی وحدتِ مطلقہ کا بیان ہے۔ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر برہانِ ناطق ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے پیارے! ہم چاہتے ہیں کہ توحید کا مضمون بیان کرنے کے لئے تیری زبان اِستعمال ہو۔ جو کچھ اس سے نکلے، میری ہستی پر دلالت کرے۔ میرے ایک ہونے کا مضمون اتنا بلند ہے کہ اس کی ادائیگی کا حق تیری زبان سے ہی ادا ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اے محبوب! مجھے تیری اُمت کو ایمان سے بہرہ ور کرنا ہے مگر اِن کا میری نسبت عقیدۂ ایمان تب متحقق ہوگا جب یہ آپ سے سن کر آپ کی بات کو سچا مان کر مجھے ایک مانیں گے۔

ا۔ ’’قُل‘‘ عنوانِ رسالت ہے اور ’’هُوَ اللّٰه‘‘ عنوانِ توحید

اللہ رب العزت نے سورۂ اخلاص کی ابتداء لفظ قُلْ سے فرمائی۔ لفظِ ’’قُلْ‘‘ عنوانِ رسالت ہے جبکہ عنوانِ توحید ’’هُوَ اللّٰه‘‘ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ کے ہونے کا براہِ راست علم (Direct knowledge) حاصل ہو گیا تو وہ علم ’’وحدانیت‘‘ ہے، عقیدۂ توحید نہیں۔ کیونکہ وہ علم بغیر واسطۂ رسالت کے ہے اور اس میں رسول ﷺ کا حوالہ ہی نہیں تھا لہٰذا وحدانیت کا تصور ایمان تب بنتا ہے جب رسول ﷺ

ایمان لانے میں واسطہ و وسیلہ بنیں۔

۲۔ وحدت، وحدانیت اور توحید کا مفہوم

عقیدۂ توحید کی معرفت کے لئے ایک اہم بات جو ذہن نشین کرنا ضروری ہے اور جسے بہت سے اہلِ علم نے اِس انداز میں بیان نہیں کیا، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے قرآن مجید، احادیثِ نبوی، ائمۂ کبار، محدثین و متکلمین، اسلاف کی تحقیقات اور مفسرین کی تفاسیر کے مطالعہ کے بعد جو بات راقم کے ذہن میں راسخ ہوئی وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک ہونا توحید نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی وحدت ہے۔ اس باب میں تین الفاظ اہم ہیں:

۱۔ وحدت ۲۔ وحدانیت ۳۔ توحید

اس اجمال کی ضروری تفصیل اِس طرح ہے:

وحدت

وحدت اکائی کو کہتے ہیں اس کا مطلب ہے اللہ کا ایک ہونا اور اللہ تعالیٰ کی وحدت، وحدتِ مطلقہ (Absolute oneness) کہلاتی ہے۔

وحدانیت

اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا تصور جب نظریہ، فلسفہ اور فکر (Theory, Philosophy & Thought) میں ڈھل جاتا ہے تو اسے ''وحدانیت'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

توحید

توحید، نظریہ اور تصور سے بڑھ کر ایک عقیدہ ہے مگر اس کے باوجود یہ اس وقت تک ایمان نہیں بن سکتا جب تک اس کا حصول واسطۂ رسالت سے نہ ہو۔ واسطۂ

رسالت سے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا ہی وہ عقیدہ ہے جو ایمان بنتا ہے اور ہم اسی کو عقیدۂ توحید کہتے ہیں۔

۳۔ واحد اور توحید کے درمیان معنوی ربط

عربی گرائمر کی رو سے لفظِ توحید باب تفعیل کا مصدر ہے اور اس کے لغوی معنیٰ ''ایک کرنا'' کے ہیں۔ اس کا مادۂ اشتقاق وَحْدَۃً ہے اور اِسی سے واحد مشتق ہے جس کے معنی ایک کے ہیں۔ ماہرینِ علم الریاضی وعلم الاعداد و ہندسہ کے نزدیک نصف الاثنین واحد یعنی دو کے آدھے کو ایک کہتے ہیں۔

واحد کی اقسام

واحد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ واحدِ عددی ۲۔ واحد جنسی ۳۔ واحد نوعی

واحد عددی

الواحد نصف الاثنین یعنی دو کے آدھے کو ایک کہتے ہیں۔

واحد جنسی

علمائے مناطقہ و فلاسفہ کے نزدیک واحد جنسی اُسے کہتے ہیں جو اپنی جنس کے اعتبار سے ایک ہو مثلاً حیوان ایک جنس ہے اور جسم نامی ایک جنس ہے۔ شیر، گائے، بکری وغیرہ حیوان ہیں اور یہ تمام اپنی خاص جنس کے لحاظ سے واحد ہیں کیونکہ اِن تمام جانوروں میں حیوانیت مشترک جنس ہے لہٰذا یہ تمام جانور ایک جنس کے لحاظ سے واحد جنسی ہیں۔

واحد نوعی

علمائے مناطقہ و فلاسفہ کے نزدیک واحد نوعی وہ ہے جو اپنی نوع کے لحاظ سے

ایک ہومثلاً حیوان کی کئی انواع ہیں۔ کوئی حیوان صاھل یعنی ہنہنانے والا جانور ہے، کوئی حیوان مفترس یعنی چیرنے پھاڑنے والا جانور ہے اور کوئی حیوانِ ناطق جیسے اِنسان۔ اِس لئے اِنسان حیوا ن ناطق ہونے کی حیثیت سے اپنی نوع کا ایک فرد کہلاتا ہے۔ بیل کو جب واحدِ نوعی کہیں گے تو اُس میں شیر اور بکری وغیرہ شامل نہیں ہوں گے۔ اِس لئے کہ بیل اگرچہ حیوانیت میں دوسرے حیوانات کے ساتھ مشترک ہے مگر وہ اپنی نوع کے اعتبار سے الگ حیثیت رکھتا ہے اِس لئے وہ اپنی نوع کا فرد کہلائے گا۔

خلاصۂ کلام

مذکورہ بالا واحد کی تمام تعریفات کے مطابق اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو واحدِ عددی مانے تو مشرک ہوگا کیونکہ اُس نے واحد عددی کی تعریف کے مطابق اللہ تعالیٰ کو دو کا آدھا تسلیم کیا اور اللہ تعالیٰ میں دو کے لحاظ سے وحدت کا مفہوم آیا۔ اگر کوئی اِنسان اللہ تعالیٰ کو واحد جنسی مانے تو تب بھی مشرک کہلائے گا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِس میں اشتراکِ جنس ضروری ہے اور اللہ رب العزت اشتراکِ جنس سے پاک ہے۔ اِسی طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو واحد نوعی مانے تو بھی مشرک ہوگا کیونکہ نوع کے لئے افرا دکا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا یہ امر متحقق ہوا کہ مذکورہ بالا تمام تعریفات کے مطابق اللہ تعالیٰ کو نہ تو واحد عددی، نہ واحدِ جنسی اور نہ واحد نوعی مان سکتے ہیں کیونکہ اِس سے شرک لازم آتا ہے تو پھر لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کو وہ واحد مانتے ہیں جسے زُبانِ مصطفیٰ ﷺ نے بیان کیا ہے اور اس کا اظہار ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' میں ہے۔

ذہن نشین کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ دوسرے کے اعتبار سے اُس میں مفہوم وحدت آیا ہے۔ پوری اُمت کا متفق علیہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت نہ واحد عددی ہے نہ واحد جنسی ہے اور نہ واحد نوعی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ واحد حقیقی ہے اور اُس کی ذات ازل سے ہی وحدتِ ذاتی سے متصف ہے اور وہ ہر قسم کے اشتراک، اشتباہ، مماثلت، تعدد، تکثر، تجزی،

حلول، اتحاد، امکان، حدوث، ترکیب، تحلیل اور تبعیض سے پاک ہے اور اِن تمام عقائدِ حقہ کا اعلان زبانِ رسالت مآب ﷺ سے لفظ ''قُل'' سے کروایا گیا ہے۔ اس واحدِ حقیقی کو ''اَحَد'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۔ وحدت اور توحید میں فرق

خدا کا ایک ہونا تصورِ وحدت ہے۔ اگر زبانِ رسالت مآب ﷺ کے واسطے کے بغیر اپنی عقل، فہم اور سمجھ سے خدا کو ایک جانا جائے تو یہ تصورِ وحدت ہے اور زبانِ رسالت مآب ﷺ سے سن کر اللہ تعالیٰ کو ایک مانا جائے تو یہ عقیدہ توحید ہے، اس لئے ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝

''(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیجئے وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے پیغام دے رہے ہیں کہ میرے پیارے نبی! یوں تو جاننے والے اپنے فہم سے مجھے ایک جانتے رہیں گے لیکن آپ اپنی زبان سے فرما دیں کہ میں ایک ہوں تو ان کا یہ جاننا ان کو ایمان کی نعمت عطا کر دے گا۔ سننے والے آپ کی زبان سے سن کر اور آپ کی بات کو مان کر مجھے ایک مانیں اور ایک جانیں گے تو ان کی وحدت، توحید میں بدل جائے گی۔

۵۔ لوگوں نے مظاہرِ فطرت کو معبود بنا لیا

قرآن مجید میں یہ ذکر بہ صراحت آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں نے اپنے علم و فکر اور عقل کی بنا پر وجودِ خدا کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا لہٰذا اس زمانے کے لوگ مظاہرِ فطرت کو معبود بناتے ہوئے کبھی سورج کی پوجا کرتے اور کبھی ستاروں کی پرستش کرتے تھے یعنی مظاہر پرستی کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اس کے پیچھے لوگوں کے ذہنوں میں اپنے فائدہ کا کوئی خاص تصور (concept) کارفرما ہوتا

تھا۔ ایسے میں اللہ رب العزت نے ان کی طرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے پیغمبرانہ بصیرت و حکمت سے لوگوں کے باطل تصورات کا رد کیا اور انہیں ذاتِ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (۱)

’’اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر (جو حقیقت میں چچا تھا محاورۂ عرب میں اسے باپ کہا گیا ہے) سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتا ہوں○ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں (یعنی عجائباتِ خلق) دکھائیں اور (یہ) اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے○ پھر جب ان پر رات نے اندھیرا کر دیا تو انہوں نے (ایک) ستارہ دیکھا (تو) کہا: (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا○ پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا (تو) کہا: (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ (بھی) غائب ہوگیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: اگر میرا

(۱) الانعام، ۶: ۷۴۔ ۷۹

رب مجھے ہدایت نہ فرماتا تو میں بھی ضرور (تمہاری طرح) گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاتاo پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا (تو) کہا: (کیا اب تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے؟ پھر جب وہ (بھی) چھپ گیا تو بول اٹھے: اے لوگو! میں ان (سب چیزوں) سے بیزار ہوں جنہیں تم (اللہ کا) شریک گردانتے ہوo بیشک میں نے اپنا رُخ (ہر سمت سے ہٹا کر) یکسوئی سے اس (ذات) کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا فرمایا ہے اور (جان لو کہ) میں مشرکوں میں سے نہیں ہوںo‘‘

۶۔ ذاتی علم اور تحقیق کی بناء پر خالق کی پہچان ایمان نہیں

تاریخ میں بڑے بڑے فلسفی گزرے ہیں جن میں سقراط(Socrates)، بقراط (Hippocrate)، ارسطو(Aristotle)، افلاطون (Plato) وغیرہ معروف ہیں جب سے فلسفہ کی تاریخ شروع ہوئی اور حقیقت(reality)، وجود(existence) وغیرہ پر فلسفیانہ بحثیں شروع ہوئیں کہ کائنات کی حقیقت اور اس کی اصل کیا ہے؟ انسان کیا ہے؟ اسی طرح سورج کے بارے میں، آسمانوں کے بارے میں، ستاروں کے بارے میں، خود کائنات (Universe) کے بارے میں اور بنی نوع انسان(human beings) کے بارے میں، سوچ بچار شروع ہوئی تو فلسفے وجود میں آنے لگے مثلاً اس وقت عقلیت کا فلسفہ (Rationalism)، حِسیّت کا فلسفہ (Empiricism) اور تنقیدیّت کا فلسفہ (Criticism) وجود میں آیا۔ اس طرح ارتقاء اور پیش رفت کے نتیجے میں مختلف فلسفے وجود میں آئے اور تصورات بنتے چلے گئے جو انسان کو اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ایک نتیجے پر پہنچنے میں مدد و معاون بنے۔

انہی عقلی دلائل، غور و خوض اور سوچ و بچار سے جو تفکر کا عمل (thinking process) ظہور پذیر (Develop) ہوا، اس سے استدلالی عمل (reasoning

(process، اِستخراجی و اِستنباطی عمل (deductive process) سائنسی عمل (scientific process) اور منطقی عمل (logical process) کی صورت گری ہوئی اور ان تمام تجربات اور مشاہدات کے ذریعے سوچ بچار کر کے انسان اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے اور وہی حقیقتِ مطلقہ (absolute reality) ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب اس تصور میں میں پختگی آ گئی تو وہ عقیدہ بن گیا مگر زیادہ تر نظریہ اور فلسفہ ہی رہا۔ عقیدہ بن جانے سے بھی وہ ایمان کے درجے کو نہیں پہنچا نہ وہ عقیدہ توحید میں متشکل ہوا کیونکہ وحدت (unity) علم میں منتقل ہو کر ایک فکر تو بن گئی مگر توحید نہ بن سکی جو مذکورہ بانیانِ فلسفہ کو ایمان کی دولت سے بہرہ ور کر سکتی۔ ان کا نتیجۂ علم ایک نظریہ اور نقطۂ نظر تو بن گیا لیکن انہیں مومن نہ بنا سکا۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے اپنے تجربات اور فکر و تدبر سے حقیقتِ مطلقہ کا جو علم حاصل کر لیا تھا وہ محض وحدت کا علم ہی رہا، توحیدِ الوھی کا درجہ حاصل نہ کر سکا، اس کی صرف ایک وجہ تھی کہ ان فلاسفہ نے بہ واسطہ رسالت و نبوت اس حقیقتِ مطلقہ یعنی خالقِ ارض و سماء اللہ ﷻ کو واحد اور یکتا نہ مانا۔ نتیجتاً وہ دولتِ ایمان سے محروم رہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہوا کہ اللہ ﷻ کو رسول ﷺ کے واسطے سے ایک ماننا ہی ایمان ہے۔ خواہ ذاتی علم ہو یا ماننے والا ایک سادہ سا عام انسان ہی کیوں نہ ہو اس کے برعکس اگر واسطۂ رسالت و نبوت نصیب نہ ہو اور انسان علم میں اپنے وقت کا امام ہی کیوں نہ ہو وہ علم کے ذریعے دولتِ ایمان حاصل نہیں کر سکتا اور نہ فلسفہ اسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں فائدہ دے سکتا ہے۔

۷۔ پیغمبر کے واسطے سے خالق کی پہچان ایمان ہے

جیسا کہ اوپر کی سطور میں واضح ہو گیا ہے کہ اگر انسان نے اپنے ذاتی علم، مشاہدے، تجربے، تجزیئے، استدلال اور سائنسی علم (scientific knowledge)، علم فلسفہ (philosophical knowledge) پر اعتماد کر کے اللہ تعالیٰ کو ایک جانا اور مانا

تو یہ فکر، نظریہ اور فلسفہ رہا اور اگر پیغمبر کی خبر پر پیغمبر کی زبان پر بن دیکھے (blind faith) اللہ تعالیٰ کو ایک جانا اور مانا تو اس کا یہ جاننا عقیدۂ توحید اور ایمان بن گیا۔ جب پیغمبر ﷺ نے اللہ کا نبی اور رسول ہونے کے ناطے یہ کہا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اب خواہ کسی انسان کا اس حوالے سے کوئی علم ہے یا نہیں، قطعِ نظر اس سے جب اس نے اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کی بات مان لی اور یقین کر لیا تو اس کا عقیدۂ توحید وجود میں آ گیا۔ اس طرح اللہ کو ایک ماننا توحید اور ایمان بن گیا۔

گویا عقیدۂ توحید تب وجود میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی معرفت کا ادراک زبانِ رسالت ﷺ سے ہو جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے درمیان مکالمہ ہوا، جسے قرآن نے ان الفاظ کے ساتھ قیامت تک محفوظ کرلیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ لا اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ج وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (۱)

’’کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جب یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے (انتقال کے) بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحق (علیہم السلام) کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبودِ یکتا ہے، اور ہم (سب) اسی کے فرماں بردار رہیں گے ○‘‘

حضرت یعقوب علیہ السلام یہ سن کر خاموش اور مطمئن ہوگئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو یہ پوچھ رہے تھے کہ کس کی عبادت کرو گے۔ جواب بڑا سادہ سا تھا۔ اگر وہ صرف اتنا کہہ دیتے کہ اللہ کی عبادت کریں گے تو سوال کا جواب مل جاتا لیکن آپ کے صاحبزادوں نے ذاتی علم و عرفان اور معرفتِ حق کی بہ دولت یہ جواب نہیں دیا بلکہ کہا کہ

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۳۳

ہم آپ کے اور آپ کے آباؤاجداد کے رب کی عبادت کریں گے۔ پھر کہا وہ ایک ہے اور ہم اسی کو ماننے والے ہیں۔ یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام مطمئن ہو گئے۔ اس ارشادِ باری تعالیٰ سے پتہ چلا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی بیٹوں کی زبان سے یہ اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ آیا ان کے بیٹے باری تعالیٰ کی ذات تک رسائی اپنی عقل و دانست سے حاصل کرنا چاہتے ہیں یا واسطۂ نبوت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی فرد اپنی عقل پر اعتماد کرنے کی بجائے اللہ کو اس لئے رب مانے کہ زبانِ نبوت نے اعلان کر دیا اور اس کی جبین نیاز رسالت کے سامنے جھکی رہے تو پھر اس کے بھٹکنے کا امکان اور شائبہ نہیں ہو گا۔

۸۔ عقیدۂ توحید خود وسیلۂ رسالت کا طالب ہے

جب تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ایک جاننے کے علم میں واسطہ اور وسیلہ نہیں بنے تب تک وہ علم محض ایک تصور تھا عقیدۂ توحید نہیں تھا۔ فلسفہ تھا ایمان نہیں تھا، فلسفہ سے ترقی پاکر ایمان تب بنا جب اس علم کو وسیلہ رسالت نصیب ہوا۔ گویا عقیدۂ توحید یعنی ایمان باللہ وسیلۂ نبوت و رسالت کے بغیر وجود میں نہیں آتا۔ بالفاظ دیگر عقیدۂ توحید کا اثبات وسیلۂ رسالت سے ہوتا ہے۔ اس طرح عقیدۂ توحید ایک ایسی مسلمہ حقیقت بن گیا کہ دنیا کی کوئی قوت اس کو رد نہیں کر سکتی۔

۹۔ ایمان ذاتی علم کی بجائے خبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انحصار کا نام ہے

یہاں ایمان کے ایک اور نکتہ کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو اس وقت دنیا کے پاس اپنے ذرائع سے جو دستیاب علم تھا، اگر اس کی اساس پر انسان اس نتیجے تک پہنچتا کہ خدا ایک ہے اور بہ فرضِ محال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ دین لے کر آئے تھے، فرما دیتے کہ خدا ایک نہیں، دو یا تین ہیں تو ایمان باللہ کے باب میں ایک خدا کی بجائے دو یا تین خداؤں کو ماننا لازم ہو جاتا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماہِ ذوالحجہ، شہرِ مکہ اور یومِ عرفہ کے بارے میں استفسار فرمایا۔ انہوں نے اللہ و رسولہ أعلم کہہ کر بے خبری کا عملی مظاہرہ کیا۔ اس سے یہ پتہ

چلتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان کے ذہنوں میں موجود علم کے برعکس کوئی اور بات بھی کہہ دیتے تو وہ اس کو بھی مان لیتے۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ، قَالَ: أَتَدْرُوْنَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟ قُلْنَا: بَلٰى، قَالَ: أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، فَقَالَ: أَلَيْسَ ذُو الْحَجَّةِ؟ قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: أَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ؟ قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، أَلَا هَلْ بَلَغْتُ؟ قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: اللّٰهُمَّ اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ، فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (۱)

’’حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یوم النحر کو ہمیں خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ ہم

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبۃ أیام منی، ۲: ۶۲۰، رقم: ۱۶۵۴

(امام بخاری نے اس حدیث مبارکہ کو صحیح البخاری، کتاب العلم، رقم: ۶۷، کتاب المغازی، رقم: ۴۱۴۴، کتاب الأضاحی، رقم: ۵۲۳۰، کتاب الفتن، رقم: ۶۶۶۷، اور کتاب التوحید، رقم: ۷۰۰۹ میں بھی بیان کیا ہے)

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب القسامۃ و المحاربین والقصاص والدیات، باب تغلیظ تحریم الدماء و الأرض و الأموال، ۳: ۱۳۰۵، رقم: ۱۶۷۹

عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ شاید اس کا کوئی اور نام لیں گے۔ فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے جس سے ہم سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ شاید اس کا کوئی اور نام لیں گے۔ فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کون سا شہر ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ شاید اس کا کوئی اور نام لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ حرمت والا شہر نہیں ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو (پھر یہ بھی جان لو کہ) تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے جب تک کہ تم اپنے رب سے ملو گے (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) کیا میں نے پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، ہاں۔ (تب) آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا (اور فرمایا) حاضر اسے غائب تک پہنچا دے۔ بعض اوقات وہ شخص جس تک بات پہنچائی گئی براہِ راست سننے والے سے زیادہ یاد رکھتا ہے۔ میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کافر نہ ہو جانا۔''

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایمان اپنے علم پر انحصار کرنے کا نام نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی خبر پر انحصار کرنے کا نام ہے یعنی جو کچھ حضور نبی اکرم ﷺ نے بتایا اس پر اعتماد کرنے کا نام ایمان ہے۔ اگر لوگوں کا مبلغِ علم اور اطلاع اس کی مطابقت میں ہو تو علم صحیح ہے اور اگر ان کا علم رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے علم سے متضاد اور غیر مطابق (inconsistent) ہو جائے تو پھر تمام ذرائع سے اکٹھا کیا ہوا علم

غلط ہوگا۔

۱۰۔ اقرارِ توحید سے قبل صدقِ رسالت ﷺ کا اقرار

صحیح بخاری میں آیت کریمہ - ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ۝[1] (اور (اے حبیبِ مکرم!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (ہمارے عذاب سے) ڈرائیے۔)﴾ - کے شانِ نزول کے تحت بیان ہوا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کوہِ صفا پر اہلِ مکہ میں سے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آرہا ہے، جو تم پر حملہ کردے گا تو کیا تم مان لو گے؟ آپ ﷺ کے رشتہ داروں نے کہا: جی ہاں! ہم مان لیں گے۔

گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی صداقت کا اقرار اعلانِ توحید سے پہلے کروا لیا تاکہ انکار کرنے والوں پر حجت قائم رہے اور اقرار کرنے والوں کی نظر میں بھی توحید پر ایمان لانے سے قبل ذاتِ رسول ﷺ پر ایمان کی اہمیت و اوّلیت واضح ہو جائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: کیسے مان لو گے؟ تم نے تو وہ لشکر دیکھا ہی نہیں؟ انہوں نے کہا: آپ سچے ہیں، آپ نے کبھی غلط بات نہیں کی، آپ جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں، اس وجہ سے آپ پر ہمارا غیر متزلزل اعتماد ہے اس لیے آپ جو کچھ فرما رہے ہیں اس کو مان لیں گے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم مجھے واقعی قابلِ اعتماد (trustworthy) سمجھتے ہو اور مجھ پر بن دیکھے بھروسہ (blind faith) رکھتے ہو تو پھر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، اور اس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، اس کی وحدانیت اور ایک ہونے پر ایمان لے آؤ۔ جنہوں نے آپ ﷺ کی یہ بات قبول کر لی وہ مؤمن ہو گئے اور جنہوں نے انکار کردیا وہ کافر ہو گئے۔ اس موقع پر ابولہب نے غضبناک ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے: اے محمد! (معاذ اللہ! استغفر اللہ!) تم برباد ہو جاؤ، تباہ ہو جاؤ، کیا اس بات کے لیے

(۱) الشعراء، ۲۶:۲۱۴

ہمیں جمع کیا تھا؟ اس کی اس دریدہ دہنی اور گستاخی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پوری سورت نازل فرما دی اور انہی الفاظ کے ساتھ اس کی مذمت کر دی، فرمایا:

تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّ تَبَّo(۱)

’’ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ ہو جائے (اُس نے ہمارے حبیب پر ہاتھ اُٹھانے کی کوشش کی ہے)o‘‘

۱۱۔ مخبر کا نام رسول اور خبر کا نام توحید ہے

کوہِ صفاء پر پہلی دعوتِ توحید کا یہ سارا منظرنامہ(scenario) اس بات پر شاہدِ عادل ہے کہ ایمان کے باب میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور آپ ﷺ کے قابلِ اعتماد ہونے پر ایمان لانا ناگزیر ہے۔ اس لئے لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی خبر دینے سے پہلے وسیلۂ رسالت اور واسطۂ نبوت پر ایمان لانے کے لئے کہا گیا اور آپ ﷺ سے کلمۂ توحید کا اعلان کروایا گیا چنانچہ جب ان کا حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور اعتماد قائم ہوگیا تو پھر آپ ﷺ نے اللہ کے ایک ہونے کی خبر (divine news) انہیں پہنچائی۔ اس سے یہ نکتہ بھی کھلا کہ جنہوں نے حضور ﷺ کے ذریعہ، وسیلہ اور واسطہ سے اللہ کو ایک مان لیا وہ مؤمن ہو گئے اور جنہوں نے آپ ﷺ کی بات نہ مانی وہ کافر قرار پائے۔ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کے ذریعے ہی ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید متحقق ہوتا ہے۔ اس لئے ہر اہلِ ایمان کا عقیدہ یہی ہونا چاہئے کہ ایمان باللہ خود وسیلۂ رسالت کا طالب اور متقاضی ہے۔

ایک ممکنہ اعتراض کا جواب

اگر کوئی طالب کے لفظ پر اعتراض کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلب ارادے کو کہتے ہیں اور یہ ارادۂ الٰہی پر موقوف ہے کہ اس نے جس کو چاہا اپنا نبی اور رسول

(۱) اللھب، ۱۱۱:۱

مقرر کر دیا۔ یہی طلب ہے۔ اسی لئے وہ واسطۂ نبوت اور واسطۂ رسالت کا طالب ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ بندہ تو اپنی طلب میں محتاج ہے لیکن اللہ محتاج نہیں، قادر ہے۔ اپنی قدرت سے انبیاء کو مقرر فرماتا رہا ہے۔ لہٰذا ہمارا عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کی اساس اس پر قائم ہے کہ واسطۂ نبوت و رسالت ناگزیر اور اٹل (inevitable) حقیقت ہے۔

۱۲۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ: عقیدۂ توحید پر قطعی شہادت ہے

قرآن مجید سے یہ بات بڑی واضحیت کے ساتھ ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید بھی واسطۂ نبوت اور وسیلۂ رسالت کے ساتھ متحقق ہوتا ہے پھر جب مسلمان دائرہ ایمان میں داخل ہوجاتے ہیں اس کے بعد جو دلائل (evidences) اللہ کی توحید کے اثبات پر قائم ہیں وہ اس عقیدے کو مزید استحکام عطا کرتے ہیں۔ توحید پر قائم کئے گئے دلائل سب کے سب ثانوی (secondry) حیثیت رکھتے ہیں یعنی وہ عقیدۂ ایمان (faith) کو مزید مضبوط (strengthen) کرنے، اس کی اعتقادی حیثیت (conviction) اور commitment کو مضبوطی و پختگی تو ضرور فراہم کرتے ہیں مگر جو حتمی، بنیادی اور قطعی شہادت ہے وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ باقی تمام دلائل، واقعاتی دلائل (circumstantial evidences) کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ بات قانون کے طلباء اچھی طرح جانتے ہیں کہ وکیل عدالت (Court) میں جو مختلف دلائل دیتے ہیں ان کو قرائن (Circumstantial evidences) کہتے ہیں مثلاً: چور نے کسی کمرے سے چوری کی ہے مگر تالا ٹوٹا ہوا نہ ہی ہینڈل ٹوٹا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کہیں سے چابی حاصل کر کے دروازہ کھولا۔ یہ قرائن ہیں جو آپ کو ایک نتیجے تک پہنچنے میں مدد دیتے ہیں۔ بادی النظر میں جو بات بڑی ٹھوس (Solid) لگتی ہے وہ حقیقت میں اتنی بھی ٹھوس نہیں کیونکہ یہ امکان بھی ہے کہ رات گھر والے تالا لگانا ہی بھول گئے ہوں اور تالا لٹکا رہ گیا ہو، اس اثناء میں چور آیا، اس نے چوری کی، تالا لٹکایا اور چلا گیا تو پتہ چلا کہ قرائن (circumstantial evidences) کو شہادتوں سے رد بھی

کیا جا سکتا ہے، قرائن علم میں تیقّن اور واضحیت(clarity) میں اضافہ کرتے ہیں مگر وہ بذاتِ خود عقیدۂ توحید اور ایمان کی اساس نہیں بن سکتے۔

شہادت کی دوسری قسم قطعی شہادت (conclusive evidence) ہے اس کو قانونی اصطلاح میں براہِ راست شہادت (Direct evidence) بھی کہتے ہیں جبکہ وہ شہادت جو قرائن پر مبنی ہو بالواسطہ شہادت کہلاتی ہے۔ اللہ رب العزت کی توحید اور اس کے وجود پر بلاواسطہ، حتمی اور قطعی شہادت پیغمبر ﷺ کی ذات ہے اس لئے اللہ پاک نے قرآن مجید میں فرمایا:

يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًاo(۱)

’’اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے (ذاتِ محمدی ﷺ کی صورت میں ذاتِ حق جل جلالہ کی سب سے زیادہ مضبوط، کامل اور واضح) دلیلِ قاطع آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف (اسی کے ساتھ قرآن کی صورت میں) واضح اور روشن نور (بھی) اتار دیا ہےo‘‘

وہ دلائل جو قطعی، حتمی اور نا قابلِ تردید ہوں انہیں برھان کہتے ہیں۔ عربی لغت میں برھان کا معنی ’اَوْکَدُ الْاَدِلَّۃ، ہے۔ یعنی دلائل میں سب سے قوی ترین دلیل جو رد نہ کی جا سکے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس اور عقیدۂ توحید پر قطعی شہادت اور سب سے زیادہ مضبوط دلیل حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔

۱۳۔ توحید پر حضور ﷺ کی گواہی اصالۃً ہے

اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی اصل گواہی حضور نبی اکرم ﷺ نے دی۔ اس پر پوری امت بغیر دیکھے گواہ بن گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرما

(۱) النساء، ۴:۱۷۴

دیا کہ اللہ ایک ہے تو موقع کے گواہ آپ ﷺ بن گئے اور ساری امت حضور ﷺ کے صدقے سے آپ ﷺ کے اعتماد پر گواہ بنی ہے۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ کی امت آپ ﷺ کی نائب (Vicegerent) ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ شہادت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ شہادتِ اصالت ۲۔ شہادتِ نیابت

جب حضور ﷺ نے فرمایا ''اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ''، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے تو یہ شہادت اصالۃً ہے۔ جبکہ حضور کی امت کی گواہی کو نیابۃً شہادت کا درجہ حاصل ہوگیا۔

۱۴۔ توحید پر امت کی گواہی نیابۃً ہے

ہم جب کلمہ پڑھتے ہیں تو گویا اللہ رب العزت کے ایک ہونے کی گواہی دیتے ہیں کہ ''أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے یعنی

I do give witness to Oneness of Almighty Allah

یہاں کوئی پوچھے کہ آپ کس طرح یہ گواہی دیتے ہیں جبکہ آپ نے تو دیکھا ہی نہیں۔ دیکھے بغیر گواہی کیسے ہوسکتی ہے؟ مثلاً: اگر کوئی قتل ہوا ہو اور آپ موقع واردات پر موجود نہ ہوں اور صرف اخبار میں پڑھا ہو یا کسی سے سنا ہو کہ فلاں نے اس کو قتل کیا ہے اور آپ عدالت میں پیش ہوجائیں اور کہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں کو فلاں نے قتل کیا ہے تو آپ کی اس بات کو عدالت نہیں مانے گی بلکہ عدالت آپ سے سوال کرے گی کہ کیا آپ موقع پر موجود تھے؟ کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھا ہے؟ اگر آپ کہیں کہ نہیں تو عدالت آپ کی شہادت رد کر دے گی۔ کیونکہ گواہ کا موقع پر موجود ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح جب آپ نے توحید کا مشاہدہ کیا ہی نہیں، اللہ کو دیکھا ہی نہیں بلکہ اس کے بارے میں صرف سنا ہے تو یہ آپ کا اعلان، شہادت کیسے بن گیا؟ قانون کی زبان میں یہ ساری کی ساری گواہی نیابۃً ہے۔ نیابت کا مطلب ہے کسی کا نائب مختار بننا اور کسی کے تفویض کردہ اختیار کو استعمال کرنا۔

۱۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ خالق و مخلوق ہیں

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو روزِ قیامت اعمال و احوالِ امت کا گواہ بنایا، یوں آپ ﷺ خالق کائنات اللہ رب العزت اور اس کی مخلوق کے گواہ بن گئے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ○ (۱)

”بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے ○“

اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے توسل سے امت محمدی آپ ﷺ کی شہادت کی بنا پر تمام سابقہ امم پر گواہ بن گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ سَمّٰكُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَ فِیۡ هٰذَا لِیَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِیۡدًا عَلَیۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ۔ (۲)

”اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے پہلے (کی کتابوں میں) بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ یہ رسولِ (آخر الزماں ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں اور تم بنی نوعِ انسان پر گواہ ہو جاؤ۔“

۱۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ انبیاء و امم ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ پر اعتماد کر کے جب ہم نے توحیدِ باری تعالیٰ کی گواہی دی تو ہمارا یہ اعلان (Declaration)، شہادت بن گیا جس کے بارے میں قرآن مجید نے کہا:

فَكَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِیۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ

(۱) الفتح، ۴۸:۸

(۲) الحج، ۲۲:۷۸

شَهِيدًا٥ (۱)

’’پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے٥‘‘

اس آیتِ کریمہ میں روزِ قیامت کے اس منظر کی نشان دہی فرمائی جب ہر امت سے نبی لایا جائے گا جو اپنی امت پر شہید ہوگا جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی کی شہادت پر گواہ ہوں گے۔ گویا تمام انبیاء علیہم السلام کی شہادت پر بھی قطعیّت (finality) کی مہر آپ ﷺ کی گواہی ہوگی جو رد نہیں ہو سکتی، اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ. (۲)

’’اور (یہ) وہ دن ہوگا (جب) ہم ہر امت میں انہی میں سے خود ان پر ایک گواہ اٹھائیں گے اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم آپ کو ان سب (امتوں اور پیغمبروں) پر گواہ بنا کر لائیں گے۔‘‘

گویا ہر نبی شاہد الامت ہے اور حضور ﷺ شاہدِ انبیاء و امم ہیں۔ یعنی ہر نبی صرف اپنی امت پر گواہ ہے جبکہ حضور ﷺ تمام نبیوں اور امتوں پر گواہ ہیں۔ امتِ محمدی حضور نبی اکرم ﷺ کی شہادت کی بناء پر سابقہ تمام امتوں پر گواہ بن گئی۔

۱۷۔ توحید کے باب میں واسطۂ نبوت کا انکار کفر ہے

یہاں ایمان کے باب میں اور عقیدۂ توحید کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطے اور وسیلے سے ایمان کا متحقق ہونا واضح ہے اور یہ ثابت ہوگیا کہ ایمان کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ پر ہے جس پر اعتماد کر کے اگر اللہ کو ایک مانا جائے تو

(۱) النساء، ۴: ۴۱

(۲) النحل، ۱۶: ۸۹

عقیدۂ توحید وجود میں آ تا ہے۔ یہاں سے توحید کا تصور (concept) اپنی واضح شکل میں اجاگر ہوتا ہے لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ توحید کے لئے کسی وسیلہ اور واسطہ کی ضرورت نہیں ہے، انہیں جان لینا چاہئے کہ اگر رسول ﷺ کا واسطہ اور وسیلہ درمیان سے ہٹا دیا جائے تو اس کے بعد کوئی مسلمان مسلمان ہی نہیں رہتا خواہ ظاہراً اس کے سارے اعمال مسلمانوں والے ہی کیوں نہ ہوں اور وہ دن رات توحید کا اقرار کرتا پھرتا ہو۔

www.MinhajBooks.com

دوسرا رکنِ توحید: ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا

ا۔ ضمیرِ غائب ''ھُوَ'' کے استعمال کی حکمت

سورۂ اخلاص میں لفظ ''قُل'' کے بعد اسمِ ذات سے پہلے ''ھُوَ'' کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ کلامِ عربی میں ''ھُوَ'' ضمیر غائب کے لئے استعمال ہوتی ہے اور غائب چیز وہ ہوتی ہے جو آنکھوں کے سامنے نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے لئے زمان و مکاں کے فاصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان سے اپنی قربت کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ○(۱)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں○''

بجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور ہر وقت موجود ہے لیکن اس قربت کے باوجود ہم اسے نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں اور نہ وہ ہمارے ادراک و محسوسات میں آ سکتا ہے۔ اس کا فوق الادراک ہونا ہی دراصل شان اُلوہیت ہے اور اس شان کے اظہار کے لئے یہاں بیانِ توحید کے آغاز میں کلمہ ''ھُوَ'' استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس کے استعمال کی بعض حکمتوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔

ان حکمتوں میں ایک یہ ہے کہ غائب میں زیادہ معنویت پائی جاتی ہے اور یہ حاضر کے مقابلہ میں ''بُعدِ معنوی'' پر دلالت کرتا ہے۔ کلام کی فصاحت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ حاضر و موجود حقیقت کی طرف ضمیرِ غائب سے اشارہ کیا جائے۔ یہاں پر ''ھُوَ'' کا لفظ دراصل ذاتِ حق کی غیر موجودگی اور حقیقی غیوبت پر دلالت نہیں کر رہا بلکہ اس سے مراد بُعدِ معنوی ہے یعنی فہم و ادراک و شعور سے دوری اور بلندی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) ق، ۵۰:۱۶

بُعدِ معنوی کا مفہوم

''بُعدِ معنوی'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اِتنی بلند اور عُلوشان کی حامل ہے کہ انسان کی ناقص عقل وفکر اور فہم و بصیرت اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔ عقل وشعور اس کی حقیقت کونہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے ''ھُوَ'' کی ضمیر غائب کا استعمال کیا گیا کیونکہ ''ھُوَ'' کی غیوبت میں ذاتِ واجب الوجود کا ماورائے عقل و ادراک ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس کی حقیقت کو سمجھنا انسانی فہم و ادراک سے وراء الوراء ہے۔

اِنسانی ذرائعِ علم کی حقیقت اوران کی اقسام

اِس بُعدِ معنوی، بلندی اور غیوبت کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اِنسانی ذرائعِ علم کا مطالعہ کیا جائے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ ذرائعِ علم یعنی حواس، عقل اور وجدان وغیرہ کا دائرہ کار کیا ہے؟ جب تک یہ معلوم نہیں ہوگا ہمیں ''ھُوَ'' ضمیر کی معنوی اہمیت کی سمجھ بھی نہیں آئے گی اور ذاتِ حق کے مافوق الادراک ہونے کا مفہوم بھی کاملاً واضح نہیں ہوگا۔ سرِدست ہم یہاں پر ذرائعِ علم اوران کی اقسام کا خلاصہ بیان کررہے ہیں، اس موضوع پر تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''اجزائے ایمان'' کا مطالعہ کیا جائے۔

ذرائعِ علم کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ حواسِ خمسہ ظاہری

۲۔ حواسِ خمسہ باطنی

۳۔ وجدان کے لطائفِ خمسہ

حواسِ خمسہ ظاہری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے گردوپیش کے حالات اور ماحول سے اپنا ربط وتعلق قائم رکھنے کے لئے پانچ ذرائعِ علم عطا فرمائے ہیں جن کی بدولت وہ ظاہری طبیعی دنیا

(Physical world) کی حقیقتوں کو جانتا اور ان کا شعور و ادراک حاصل کرتا ہے۔ یہ حواسِ خمسہ ظاہری کہلاتے ہیں اور ان کا ارتقاء عمر بھر جاری رہتا ہے۔ حواسِ خمسہ ظاہری مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قوتِ لامسہ (ہاتھوں سے چھونے کی قوت)

۲۔ قوتِ باصرہ (آنکھوں سے دیکھنے کی قوت)

۳۔ قوتِ سامعہ (کانوں سے سننے کی قوت)

۴۔ قوتِ ذائقہ (زبان سے چکھنے کی قوت)

۵۔ قوتِ شامہ (ناک سے سونگھنے کی قوت)

یہ حواس انسانی ذہن کو فقط ظاہری خام مواد مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور ہر ایک کا اپنا اپنا مخصوص اور محدود دائرہ کار ہے۔ یہ حواس ایک دوسرے کی جگہ نہیں لے سکتے اور اگر ان میں سے ایک بھی خراب ہو تو بقیہ دوسروں پر انحصار کر کے کسی شے کی حقیقت کو پرکھا نہیں جا سکتا۔ ان میں سے کوئی بھی حس مفقود ہو جائے تو باقی سب مل کر بھی اِس کی تلافی نہیں کر سکتے مثلاً آواز کو کان کے ذریعے، رنگوں کو آنکھ کے ذریعے، خوشبو کو ناک کے ذریعے، سرد اور گرم کو چھونے کے ذریعے اور کڑواہٹ اور میٹھاس کو زبان کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس آواز کو آنکھ سے، رنگ کو ہاتھ سے اور ذائقے کو کان وغیرہ کے ذریعے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ غرض ان پانچوں حواس کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے۔ کوئی حِس دوسرے کے قائم مقام نہیں بن سکتی یعنی اپنے دائرے سے ہٹ کر کسی چیز کے معیار اور اس کی نوعیت کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ پس یہ امر طے شدہ ہے کہ اگر کوئی شے دنیا میں موجود ہو مگر اس کو معلوم کرنے والی خاص حس موجود نہ ہو تو پھر باقی سارے حواس بروئے کار لانے کے باوجود بھی اس کی موجودگی کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔ لہٰذا ان حواسِ ظاہری کے محدود دائرہ کار کی بے بضاعتی کو بنیاد بنا کر کسی وجود کی عدم موجودگی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

اِنسان نے علوم وفنون اور جدید سائنسی حقائق کو دریافت کرنے میں بلا شبہ بہت ترقی کرلی ہے۔ لیکن اس کی یہ ساری ترقی، بلندی اور معراج پھر بھی ایک محدود دائرے کے اندر ہے۔ انسان کی پرواز وہیں تک پہنچ سکتی ہے جہاں تک اسے یہ حواسِ خمسہ لے کر جاسکتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ عالمِ بالا کی بہت سی حقیقتیں اور ان تک رسائی انسان کے حواس کے دائرہ ہی سے خارج ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا کمزور انسان اور اس کا محدود دائرۂ علم اللہ تعالیٰ کے وجود کی حقیقت کو محسوس کر سکے اور سمجھ سکے۔ اس لئے یہاں انسان کو اظہارِ عجز و درماندگی کے علاوہ چارہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بالآخر ان ماورائی حقیقتوں کی خبر رکھنے والے رسولِ اکرم ﷺ کی دہلیز پر سرِ نیاز خم کرنا پڑتا ہے۔ حقیقت تک رسائی کے لئے علمِ نبوت ہی مضبوط اور مستحکم رابطے کا کام دیتا ہے۔

حواسِ خمسہ کے لئے عقل کی ناگزیریت

اگر ان پانچوں حواس کو عقل کی سرپرستی اور رہنمائی حاصل نہ ہو تو یہ کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک محسوس کرنے کے باوجود انسان کو کسی خاص نتیجے تک نہیں پہنچا سکتے۔ آنکھوں کی بصارت، کانوں کی سماعت، ہاتھوں کا لمس اور زبان کے ذائقے کا تاثر عقل پر وارد ہوتا ہے اور جب تک عقل اس سے صحیح نتائج اخذ کرکے انسانی جُستجو کی خاص نہج پر رہنمائی نہ کرے اس وقت تک وہ ادراک و احساس علم کا روپ نہیں دھار سکتا۔ کیونکہ اِنسانی جسم مکمل طور پر ایک خود کار مشین کی طرح ہے اور اِس میں دماغ کی حیثیت کمپیوٹر کی سی ہے۔ دماغ پورے جسمِ اِنسانی کو کنٹرول کرتا ہے اور اِس کو ایک نظام کے تحت مربُوط کرتا ہے نیز اِن سب میں ایک شعوری کیفیت کو جنم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دماغ کو بہ منزلہ ایک کارخانہ (Factory) بنا دیا اور حواس اِس میں کل پرزوں کی طرح روبہ عمل ہیں۔ حواسِ خمسہ کا کام دماغ کے لئے معلومات کا خام مواد تیار کرنا ہے نہ کہ اِن محسوسات کو سمجھنا۔ کان بذاتِ خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ سنے ہوئے الفاظ کا مطلب کیا ہے، آنکھ بذاتِ خود فیصلہ نہیں کرسکتی کہ سرخ اور سبز رنگ میں کیا فرق ہے، غرض اِسی طرح دوسرے حواس کا معاملہ ہے کہ وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

۲۔ ''ھُوَ اللہ'' عقل کے ادراک سے بلند ہے

عقل اپنے اِن پانچوں حواس کی مدد سے اِن محسوسات سے صحیح نتیجہ اخذ کرتی اور بتاتی ہے کہ کانوں نے کیا سنا، ہاتھوں نے کیا پکڑا، زُبان نے کون سا ذائقہ چکھا اور آنکھ نے کیا دیکھا۔ آخری فیصلہ عقل اِنسانی صادر کرتی ہے لیکن جب ذاتِ حق کے ادراک کی بات آئے تو حواسِ خمسہ تو رہے ایک طرف، یہاں عقل بھی جواب دے جاتی ہے۔ ''ھُوَ'' میں پوشیدہ حکمت اِسی امر کی غماز ہے کہ ذاتِ حق کی حقیقت جس طرح حواس کے ادراک سے دُور ہے اِسی طرح عقلِ انسانی کے شعور و ادراک سے بھی وراء الوراء ہے۔

۳۔ ''ھُوَ اللہ'' حواسِ باطنی کے ادراک سے بھی بلند ہے

حواسِ ظاہری کا دائرہ کار، صرف مادی اور طبیعی دُنیا تک محدود ہونے کے باعث غیر مادی اشیاء کے ادراک سے محروم ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اِنسانی حواس کی معلوم کردہ اشیاء کو اگر عقلِ انسانی منظّم اور مربوط نہ کرے تو حواسِ خمسہ سے حاصل کردہ خام مواد علم کا روپ نہیں دھار سکتا مثلاً کسی دیوانے یا پاگل اِنسان کے تمام حواس تو اپنی اپنی جگہ درست اور صحیح و سالم ہوتے ہیں مگر دماغ ٹھیک کام نہیں کر رہا ہوتا، اِس لئے اس کے حواس اِسے کسی نتیجے پر پہنچنے نہیں دیتے۔ نتیجتاً صحیح علم وجود میں نہیں آتا اور وہ زندگی کے اعتدال سے محروم ہو جاتا ہے۔

حواسِ خمسہ باطنی

جس طرح محسوساتِ ظاہری کے لئے اللہ تعالیٰ نے پانچ حواس تخلیق فرمائے ہیں اِسی طرح عقلِ انسانی میں باطنی سطح پر بھی پانچ حواس یا مدرکات پیدا کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حسِّ مشترک ۲۔ حسِّ خیال

۳۔ حسِّ واہمہ ۴۔ حسِّ حافظہ

۵۔ حسِّ متصرفہ

اِن پانچوں حواسِ باطنی اور مدرکات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ جیسے ہی انسانی عقل کا یہ گوشہ حواسِ ظاہری کے اوّلین تاثرات کو وصول (Receive) کرتا ہے وہ اِس حصہ عقل پر جا کر جذب ہو جاتے ہیں مثلاً جب ہماری آنکھ کسی چیز کو دیکھتی ہے تو اِنسانی عقل اُس حسِ مشترک کو قبول کر لیتی ہے۔ اِس کو مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ حسِ مشترک کو تالاب تصور کیا جائے اور پانچوں حواسِ ظاہری کو اُس میں پانی پہنچانے والی نہریں۔

۲۔ حسِ خیال مدرکات اور محسوسات کی اُن تصاویر اور شکلوں کو جو حسِ مشترک میں پہنچتی ہیں اُن کی ظاہری صورتوں کو اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے مثلاً جب ہم لفظ ''میں، بولتے ہیں تو اِس لفظ کی ظاہری صورت یعنی ''م''، ''ی'' اور ''نون غنہ'' ہے۔

۳۔ حسِ واہمہ مدرکاتِ حسی کے معنی و مفہوم یعنی اُن کی باطنی شکل و صورت کا ادراک کرتی ہے اور محفوظ رکھنے کے لئے اُن تاثرات کو اُس سے اگلی حس میں منتقل کر دیتی ہے۔

۴۔ حسِ حافظہ محسوسات کے مفہوم معنوی کے وجود کو اِسی طرح محفوظ کرتی ہے جس طرح اِن کی ظاہری شکل کو حسِ خیال نے محفوظ کیا تھا۔

۵۔ حسِ متصرفہ کا کام یہ ہے کہ حسِ مشترکہ میں آنے والی ظاہری صورت کو قوتِ واہمہ میں حاصل ہونے والے معنی سے اور حسِ خیال میں محفوظ شکل و صورت کو قوتِ حافظہ میں محفوظ مفہوم کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ اِس طرح انسان مختلف الفاظ سن کر اِن کا مفہوم سمجھنے اور اِن میں فرق کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ یہ پانچوں حصے باہم مل کر ایک دوسرے کے مد و معاون بنتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں علم، ادراک میں بدل جاتا ہے۔ اگر حسِ مشترک موجود نہ ہو تو یہ پانچوں حواس ایک عضوِ معطل کی طرح بے بس ہو کر رہ جائیں۔ ہر حس کا دوسری حس سے گہرا تعلق ہے اور ایک

دوسرے کے بغیر ناقص ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حواسِ خمسہ ظاہری کے علم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے حواسِ خمسہ باطنی کے محتاج ہیں۔ جب تک حواسِ ظاہری کے مدرکات ان پانچوں حواسِ باطنی کے ذریعے ایک صحیح نتیجے تک نہ پہنچیں، اس وقت تک حواسِ ظاہری کی بنا پر محسوس کیے جانے والے تمام مادی حقائق علم کی شکل اختیار نہیں کرسکتے۔ گویا حواسِ ظاہری کسی شے کو محسوس تو کرتے ہیں، اسے معلوم نہیں کرسکتے۔ دوسری طرف عقل اور اس کے حواسِ باطنی مکمل طور پر حواس ظاہری کے محتاج ہیں۔ اگر آنکھ دیکھنے سے، کان سننے سے، ناک سونگھنے سے اور زبان چکھنے سے محروم ہو تو تمام عقلی حواس مل کر بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے لہٰذا جہاں حواس عقل کے محتاج ہیں وہاں خود عقل بھی حواس کی محتاج ہے۔ حواس پر ماحول کی اثر پذیری اس حد تک ہے کہ اگر کسی بچے کی پیدائش کے بعد اس کی ایسے مقام پر پرورش کی جائے جہاں کوئی آواز اس کے کان میں پڑنے نہ پائے تو ایسا بچہ پچاس سال کو پہنچ جانے کے باوجود نہ کچھ بول سکے گا اور نہ کچھ سمجھ سکے گا۔ اس کی وجہ فقط یہ ہے کہ ہم جو کچھ اپنی زبان سے بولتے ہیں وہ دراصل ان آوازوں کا نتیجہ ہے جو کانوں نے سنیں اور جنہیں عقل نے حافظہ کی لوح پر محفوظ کرلیا، جب کوئی شخص اپنے کان سے کچھ سن ہی نہیں سکا اور اس کی عقل الفاظ، حروف، لہجوں اور آوازوں کو محفوظ ہی نہ کرسکی تو جس طرح اس کا دماغ الفاظ کے معاملے میں سفید کاغذ کی طرح کورا رہا اسی طرح اس شخص کو اپنی کیفیات، حاجات اور خواہشات کے بیان و اظہار پر بھی قدرت حاصل نہ ہوسکی۔ یہی سبب تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں اہلِ عرب اپنی اولاد کی تربیت و پرورش کیلئے بدوی عورتوں کے سپرد کردیتے تھے، تاکہ وہ ان لوگوں کی خالص اور فصیح عربی زبان سن کر بولنے پر قادر ہوسکے۔

انسان اور اس کی بساطِ علم

اب یہ بات طے ہوگئی کہ انسانی عقل کی پرواز صرف وہیں تک ہوتی ہے جہاں

تک حواس اپنا کام کرتے ہیں لہٰذا جو حقیقت انسان کے حواسِ خمسہ ظاہری (باصرہ، سامعہ، لامسہ، ذائقہ اور شامہ) کی دسترس سے باہر ہو، اس کا ادراک عقل بھی نہیں کر سکتی کیونکہ حواس کے خام مال کے بغیر عقل ایک عضوِ معطل ہے اور عقل کے بغیر سارے حواس بے کار اور بے مصرف ہیں۔

پس انسان کو عطا کردہ ذرائع ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس لیے حواسِ خمسہ اور عقل فعال ہونے کے باوجود انسانی زندگی کی حقیقت سے متعلق اکثر سوالات جواب طلب رہتے ہیں مثلاً یہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا؟ انسان کی تخلیق کیسے ہوئی؟ آغازِ کائنات کیسے ہوا؟ اور اس کا اختتام کیسے اور کب ہوگا؟ اس کائنات سے انسان کا کیا تعلق ہے؟ کائنات میں بحسن و خوبی زندگی گزارنے کے لیے کون سے قانون کی پاسداری لازمی ہے؟ کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی بری؟ ظلم کیا ہے اور انصاف کیا؟ مرنے کے بعد انسان کا کیا ٹھکانا ہے؟ آیا موت ہر چیز کا اختتام ہے یا ایک نئی زندگی کا آغاز؟ اگر مرنے کے بعد انسان نئی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اس حیاتِ ثانیہ کی کیفیت کیا ہے؟ مزید یہ کہ مرنے کے بعد وہ اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہوگا یا نہیں؟

علیٰ ھذا القیاس انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کا بامقصد زندگی پر یقین رکھنے والے ہر انسان کو تسلی بخش جواب چاہیے۔ جب یہ تمام سوالات انسانی عقل پر دستک دیتے ہیں تو انسان ان کے جواب کے لیے حواسِ خمسہ میں سے ہر ایک کے دروازے پر دستک دے کر پوچھتا ہے کہ ہمارا خالق کون ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ہمیں مرنے کے بعد کہاں جانا ہے؟ اچھائی اور برائی کیا ہے؟ مگر انسانی حواس انتہائی درماندگی کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ حقائق ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ یہ مادی جسم سے ماورا ہیں ہم ان کا جواب کیسے دے سکتے ہیں؟ اس طرح انسانی حواس کی بے بسی اور عاجزی پوری طرح نمایاں ہوجاتی ہے۔

جب واضح ہوجاتا ہے کہ وہ تمام حقائق جن سے انسان کی اخلاقی و روحانی اور اعتقادی ونظریاتی زندگی تشکیل پاتی ہے، حواسِ خمسہ کی زد سے ماورا ہیں تو انسان اپنی عقل

کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دامن جھنجھوڑ کر کہتا ہے: اے میرے وجود کے لیے سرمایۂ افتخار! میری زندگی کے بنیادی حقائق سے متعلق، اب تو ہی میری راہنمائی کر! مگر عقل بھی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے: اے انسان! میں تو خود تیرے حواس کی محتاج ہوں، وہ چیز جس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے اس کے متعلق میں کیسے فیصلہ صادر کرسکتی ہوں؟ میں تو حواس کی طرح بے بس و مجبور ہوں اور تیری کوئی راہنمائی نہیں کرسکتی لہٰذا معلوم ہوا کہ ذاتِ حق کا ادراک باطنی حواس سے بھی ممکن نہیں۔

۴۔ ''ھُوَ اللہ'' کی معرفت وجدان کے ادراک سے بھی بلند ہے

رب تعالیٰ نے انسان کو ذریعہ علم کے طور پر ایک اور باطنی سرچشمہ بھی عطا کیا ہے جسے وجدان کہتے ہیں۔ انسانی وجدان کے بھی پانچ گوشے ہیں، جن کو لطائفِ خمسہ سے موسوم کیا جاتا ہے:

۱۔لطیفۂ قلب ۲۔لطیفۂ روح ۳۔لطیفۂ سر ۴۔لطیفۂ خفی ۵۔لطیفۂ اخفٰی

ان لطائف کے ذریعے انسان کے دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے، حقائق سے پردے اٹھنا شروع ہوجاتے ہیں، روح کے کان سننا شروع کر دیتے ہیں اور یوں انسانی قلب بعض ایسی حقیقتوں کا ادراک کرنے لگتا ہے جو حواس و عقل کی گرفت میں نہیں آ سکے تھے۔ لیکن انسانی وجدان کی پرواز بھی طبیعی کائنات تک محدود ہے، امام غزالیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

و وراء العقل طور آخر، تنفتح فيه عين اخرى، فيبصر بها الغيب، وما سيكون في المستقبل، و أموراً آخر، العقل معزول عنها. (۱)

''اور عقل کے بعد ایک اور منزل ہے جس میں باطنی آنکھ کھل جاتی ہے اس کے ذریعے غیبی حقائق اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھا جا سکتا ہے اور ان دیگر امور کو بھی جن کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔''

(۱) غزالی، المنقذ من الضلال: ۵۴

لیکن اس وسعت کے باوجود وہ حقائق جو طبیعی کائنات کی محدودات (Limitations) سے ماوراء اور خدا کی ذات و صفات سے متعلق ہیں انسانی وجدان انہیں جانچنے اور پرکھنے سے قاصر رہتا ہے۔ جیسا کہ انسانی تخلیق اوراس کا مقصدِ تخلیق، نیز اس کی موت اور ما بعدالموت سے تعلق رکھنے والے معاملات۔ ان کے بارے میں حتمی اور قطعی علم نہ تو حواس دے سکتے ہیں، نہ عقل اور نہ ہی وجدان۔ انسان نے یکے بعد دیگرے تینوں ذرائع علم کے دروازوں پر دستک دی، مگر ہرایک نے اسے مایوس کردیا۔ کوئی بھی ذریعہ اس کے علم کو حتمیّت اور قطعیت کا درجہ نہ دے سکا۔ چنانچہ انسان ہر طرف سے مایوس ہوکر خدا کی ذات کو پکارتا ہے اورکہتا ہے کہ اے ربِ کائنات! میں اپنی ذات، کائنات اور تیری ذات کا یقینی عرفان چاہتا ہوں مگر میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو مجھے مطمئن کرسکے۔ اس لیے تو اپنے خزانۂ غیبی سے میرے لیے علم کا کوئی ایسا سرچشمہ پیدا کر دے، جو مجھے ان سربستہ حقائق کے بارے میں حقیقی آگاہی بخش سکے کہ فقط تیری ذات ہی ہے جہاں تمام حواس ناکام ہوجائیں، انسانی عقل خیرہ ہوجائے اور انسانی وجدان بھی نامراد لوٹ آئے، وہاں تجھ سے اس سرچشمۂ علم کے فیضان کی بھیک مانگی جاسکے۔

۵۔ هُوَ کی معرفت کے لئے ''هٰذا'' کو بھیجا گیا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط وَاللهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِيْنَo (۱)

''بے شک سب لوگوں سے بڑھ کر ابراہیم (عليہ السلام) کے قریب (اور حقدار) تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان (کے دین) کی پیروی کی ہے اور (وہ) یہی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور (ان پر) ایمان لانے والے ہیں، اور اللہ ایمان لانے والوں کا مددگار ہےo''

(۱) آل عمران، ۳:۶۸

یہاں ھٰذَا النَّبِیُّ سے تمام اکابر مفسرین نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات مراد لی ہے۔[(۱)]

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اللہ رب العزت کی ذات ہمارے حواسِ ظاہری و باطنی اور وجدان کی رسائی سے بالا تر ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے لئے ''ھُوَ'' استعمال کیا جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے ان کی تعظیم کی خاطر ''ھٰذَا'' فرمایا کہ اگر تم ''ھُوَ'' کی صحیح معرفت چاہتے ہو تو یہ نعمت تمہیں ''ھٰذَا'' کی بارگاہ سے نصیب ہو گی۔

ترجمانِ حقیقت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اسی مفہوم کو شعری قالب میں یوں ڈھالا ہے:

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

''گویا فاضل بریلوی نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ''وہاں'' استعمال کیا اور بارگاہِ رسالت کے لئے ''یہاں'' اور یہ عقیدہ بھی واضح کر دیا کہ ''یہاں'' کی معرفت کے بغیر ''وہاں'' کی رسائی ناممکن ہے۔''

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ حواس کے ذریعے انسان کو حاصل ہونے والے علم میں بہرصورت غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ عقل غلطی کرسکتی ہے، وجدان اور کشف میں بھی سقم ہوسکتا ہے، جبکہ انسان تلاشِ حق کے لئے ایسے حتمی و قطعی علم کی جستجو اور طلب رکھتا ہے، جس میں غلطی، سقم اور خطا کا کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی موجود نہ ہو۔

اب یہ تو عین ممکن ہے کہ زید کی آنکھ نے جو کچھ دیکھا، عمرو کی آنکھ اسے غلط

(۱) ۱۔ ابن جریر طبری، جامع البیان، ۳:۲۱۸
۲۔ بغوی، معالم التنزیل، ۳:۳۱۳
۳۔ نسفی، تفسیر القرآن الجلیل، ۳:۲۲۴
۴۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۲:۲۲۶

ثابت کردے۔ ایک شخص کی عقل ایک دلیل سے جو نتیجہ اخذ کرے، ممکن ہے دوسرے کی سوچ اسی دلیل سے اس کے برعکس نتائج اخذ کرے۔ اسی طرح وجدان اور دیگر حواس کے فیصلوں میں بھی غلطی کا احتمال رہتا ہے لیکن علم کا وہ درجۂ کمال اور علم کی وہ ارفع حالت جہاں غلطی اور خطا کے کسی امکان اور انتشار و افتراق کی کوئی گنجائش نہ ہو اس کے حصول کا ذریعہ صرف اور صرف بارگاہِ نبوت و رسالت کی دریوزہ گری ہے، یا پھر ان اہل اللہ سے وابستگی ہے جو اپنی ذات کو انوارِ نبوت و رسالت سے مستنیر کر چکے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسانی حواس ہوں یا انسانی عقل، یہ سارے کے سارے ذرائع انسان کو حتمی علم مہیا نہیں کر سکتے۔ حتمی علم صرف اُسے حاصل ہوتا ہے جس نے آفتابِ نبوت کے انوار سے اپنے سینے کو منور کر لیا ہو اور یہ مقام صوفیاء اور عارفانِ حق کو نصیب ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ علومِ نبوت و رسالت ہی وہ واحد ذریعہ ہیں، جن کی فراہم کردہ معلومات میں غلطی اور خطا کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا تو جب آپ ﷺ کے ذریعہ ہمیں ''ھُوَ'' کی خبر دی گئی تو وہ بالکل صحیح اور درست ہے اور اسی پر ایمان لانے میں ہمارے لئے نجات ہے۔

۶۔ ''ھُوَ'' علم بالادراک کا نہیں ایمان بالغیب کا موضوع ہے

یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ کی ذات فہم و ادراک سے بالا تر ہے۔ آج تک علم و شعور کا ایسا کوئی پیمانہ دریافت ہوا نہ کبھی ہوسکتا ہے جس کے ذریعے ذاتِ حق کی معرفت ممکن ہو۔ اس ذات کی صحیح معرفت اور پہچان صرف واسطۂ رسالت سے ممکن ہے۔ لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ''ھُوَ'' علم بالادراک کا نہیں بلکہ ایمان بالغیب کا موضوع ہے۔ عقل و شعور اور انسانی علوم کے ذریعے تحقیقات سے جو نتائج اخذ کئے جاتے ہیں وہ حتمی اور قطعی نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ نہ ہی یہ موضوع ان کے دائرہ کار میں آتا ہے۔

یہاں قدرتی طور پر ذہن سائنس اور اس کے اکتشافات کی طرف متوجہ ہوتا ہے جہاں تک سائنس اور اس کی تحقیقات کا تعلق ہے، ان کو نظریات (Theories) کا نام تو

دیا جاسکتا ہے مگر ان تحقیقات کو کائنات کے بنیادی حقائق کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ آج سائنسی تحقیق ایک بات ثابت کرتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد دوسری تحقیق اسے غلط ثابت کردیتی ہے، آج سائنس کسی مسئلے میں ایک موقف اختیار کرتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد نئے تجربات کے تحت سائنسدان نیا نقطۂ نظر پیش کردیتے ہیں۔ سائنسی تحقیق کا آغاز مفروضہ (Hypothesis) سے ہوتا ہے اور اس کی تصدیق تجربے (Experiment) سے ہوتی ہے، اس کے باوجود سائنس اپنے ارتقائی مراحل کے ذریعے نظریے کی منزل تک نہیں پہنچتی۔ ماہرین کے خیال میں سائنس کا اسی فی صد (80%) علم غیر یقینی (Indefinite) اور ظنی (Probable) ہے۔ یہ عمرانی علوم (Social Sciences) ہوں یا قدرتی علوم (Natural Sciences)، کیمیا (Chemistry) اور طبعیات (Physics) ہو یا نباتات (Botany) اور حیوانیات (Biology)، ان سب علوم کی تحقیقات کا ۷۰ یا ۸۰ فیصد حصہ ابھی اقدام و خطاء (Trial & Error) کے مرحلے میں ہے۔ سائنس اپنی سینکڑوں برس کی جدوجہد کے باوجود ایسا کوئی پیمانہ دریافت نہیں کرسکی جس پر وہ اپنی معلومات اور دریافتوں کو پرکھ کر قطعی اور حتمی شکل میں سائنسی دنیا کے سامنے پیش کرسکے۔ بہت کم ایسی سائنسی تحقیقات ہوں گی جو حتمی قانون کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ علم جب تک حتمیت اور قطعیت کے درجے تک نہ پہنچے، اس وقت تک باکمال نہیں بن سکتا۔ گویا سارے ذرائع علوم ابھی تک اقدام وخطاء کے مرحلے میں ہیں۔ لیکن نبوت و رسالت کے تمام علوم و اکتشافات ہر قسم کی خطا اور غلطی سے منزہ ہونے کے باعث شروع سے آخر تک حتمیت وقطعیّت کی شان اختیار کئے ہوئے ہیں۔

بیانِ توحید میں اسمِ ذات کے استعمال کی حکمت

سورۂ اخلاص کی پہلی آیہ کریمہ میں لفظ ''اللہ'' استعمال کیا گیا ہے جو باری تعالیٰ کا اسمِ ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی ایک نام اسمِ ذات کے طور پر جانا جاتا ہے جبکہ باقی اسماء صفات ہیں۔ جس طرح بنیادی طور پر توحید کے دو پہلو ہیں یعنی ذات کے اعتبار سے اللہ کا ایک ہونا اور صفات کے اعتبار سے یکتا اور ایک ہونا، اسی طرح اس کے اسماء کے بھی دو پہلو

ہیں۔ اس کا ایک نام ذاتی ہے اور کئی نام صفاتی ہیں۔ صفاتی نام سے کسی ذات کی مختلف جہتوں کا پتہ چلتا اور اس کی مختلف سمتوں کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے دو اسماء رحمن اور رحیم ہیں۔ یہ صفاتی نام اس کی صفتِ رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کو رحمن اور رحیم کہا جائے گا تو اس سے اس ذات کی صفتِ رحمت کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی ہوگی کہ وہ ذاتِ مہربان کس قدر رحمت فرمانے والی ہے۔ جب اس کے لئے **عالم** کا لفظ استعمال کیا جائے گا تو اس سے اس کی صفت علم کا پتہ چلے گا کہ اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔

جب اس کے لئے **سمیع و بصیر** کے الفاظ استعمال ہوں گے تو ان سے پتہ چلے گا کہ اس کی سماعت و بصیرت کی صفات کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ جب اللہ تعالیٰ کو **قدیر، خالق و مالک ، معبود، مستعان ، رب ، قہار، جبار** کہا جائے گا تو ان سب صفاتی اسماء سے اس کی مختلف صفتوں کی نشاندہی ہوگی۔

ہر اسمِ صفت اس ذات کی کسی نہ کسی صفت پر دلالت کرتی ہے گویا صفاتی ناموں سے اس کی صفات کا پتہ چلتا ہے جبکہ بیانِ توحید میں ذاتی نام استعمال کرنے کی حکمت یہی ہے کہ 'اللہ' ذاتِ باری تعالیٰ کا وہ اسمِ عالی شان ہے جو کسی اور کا ہو ہی نہیں سکتا جیسے اللہ یکتا ہے اسی طرح اس ذاتِ واحد کا نام بھی شانِ یکتائی رکھتا ہے۔

خلاصۂ کلام

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ذاتِ حق کی معرفت سائنسی تحقیقات اور انسانی ذرائع علم سے ممکن نہیں کیونکہ وہ ذات فوق الادراک ہے۔ انسانی علوم کی اپنی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ علوم جب تک دہلیزِ رسالت و نبوت پر سجدہ ریز نہ ہوں اس وقت تک ان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا علم جس عقل و وجدان پر اعتماد کرتا ہے، ان کی پرواز محدود ہے۔ یہ سب ایک مقام پر پہنچ کر رک جاتے ہیں۔ ان کے لیے اس سے آگے تاریکی ہی تاریکی ہے ۔ لہٰذا معرفت باری تعالیٰ کی واحد صورت یہ ہے کہ انسان ذاتی تحقیقات اور کسی علم کی بجائے علومِ رسالت کے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دے اور "هُوَ" یعنی معرفتِ حق کی جستجو "هٰذَا" یعنی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے سن کر کرے۔

تیسرا رکنِ توحید: اَحَدیّت (اللہ کا ایک ہونا)

سورۂ اخلاص میں احدیت کا بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○

’’(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیجئے وہ اللہ ہے جو یکتا ہے ○‘‘

یہاں توحید کے تصور کو اجاگر کیا گیا ہے یعنی توحید کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف بھی ہے اور اس کی صفات کی طرف بھی۔ ذات کی طرف توحید کی نسبت کا معنی یہ ہے کہ اس کا اس پوری کائنات ہست و بود میں کوئی شریک و سہیم نہیں۔ وہ معبود اور خالق و مالک ہونے کے اعتبار سے یکتا و یگانہ ہے چونکہ احد کے صیغے میں واحد کی نسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے اس لئے ’’اَحد‘‘ کہا۔ ہر چند کہ ’’وَاحد‘‘ میں بھی اکیلا ہونے کا معنی پایا جاتا ہے لیکن ’’وَاحد‘‘ کہنے کی بجائے ’’احد‘‘ اس لئے کہا کہ کسی دوسرے کے ہونے کے تمام تر امکانات ختم ہو جائیں اور یہ وہم و گمان بھی ذہن میں نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس پوری کائنات میں کوئی دوسرا معبود بھی ہو سکتا ہے لہٰذا عبادت کے لائق صرف اور صرف وہ تنہا ذات ہے، وہی معبودِ برحق ہے۔ اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود، خدا یا واجب الوجود ہستی اور قدیم مانے، تو وہ ذاتِ الٰہی میں شرک کا مرتکب ٹھہرے گا۔

مذاہبِ عالم میں ’’اللہ‘‘ کی وحدانیت کا تصور

پوری دنیائے انسانیت اور مذاہبِ عالم کی تاریخ کے بالاستیعاب مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب و ملت اور ہر طبقہ انسانیت میں مشرکانہ تصورات کے باوجود بھی کسی ایسی ہستی کا تصور ضرور موجود رہا ہے جس کے بارے میں وہ سب سے بلند و بالا اور کائنات کے خالق و مالک، رب الارباب اور رب کائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے رہے

ہیں۔ ہندو مذہب سے بڑھ کر مشرکانہ تصورات پر مبنی مذہب اور کوئی نہیں ہوسکتا وہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے لاتعداد بتوں کی پوجا کا پرچار کرتا ہے۔ لیکن ان گنت خود ساختہ خداؤں کو ماننے والا یہ مذہب بھی ایک کو رب الارباب یعنی (خداؤں کا خدا) مانتا ہے۔ اسے وہ ''پریشور'' کا نام دیتا ہے۔ پریشور کو ماننے والے کسی عام دیوی دیوتا کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کرتے۔ اسی پریشور کو ہندومت میں براہما کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یجروید ہندومت کی مقدس مذہبی کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں پریشور اس براہمہ کے لئے استعمال ہوا ہے جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ سمندروں، ندیوں اور دریاؤں کی نہریں بھی اسے پکارتی ہیں۔

اس پریشور اور براہما کے لئے ہندو ایک خاص لفظ ''اوم'' بطور اسمِ ذات استعمال کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں تزکیہ نفس کرنے والے جب نشست میں بیٹھ کر کسی ایسی ذات کے نام کا ورد کرتے ہیں جس کا مقابلہ کوئی دیوی دیوتا نہیں کر سکتا تو وہ مراقبہ کی حالت میں ''اوم'' کے ساتھ اس ذات کو پکارتے ہیں۔ یہ وہ لفظ ہے جسے ہندومت کی اصطلاح میں ''اللہ'' کا ہم معنی کہا جاتا ہے۔ وہ مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے بھی شرک کی ہزاروں آلودگیوں کے باوجود اسی کو سب سے بلند و بالا ماننے پر مجبور ہیں اور اس کو وہ نام دینے پر مجبور ہیں جو اس کے سوا کسی مصنوعی رب کا نام نہیں۔

www.MinhajBooks.com

چوتھا رکنِ توحید: صمدیّت

(اللہ کا بے نیاز اور سب پر فائق ہونا)

’’اَللّٰہُ الصَّمَد‘‘ کا معنیٰ ذات کی نسبت سے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اوّل سے آخر تک از خود موجود ہے۔ وہ بے نیاز اور سب پر فائق ہے جبکہ ہر شئے اپنے وجود کے لئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی جو کوئی بھی کائنات میں موجود ہے اس کے وجود میں آنے کا سبب خدا کی ذات ہے اور ہر کسی کا موجود ہونا اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ جب ہر کسی کا وجود اللہ رب العزت کا محتاج ٹھہرا تو اس کی صفات اور کمالات بھی محتاج ہوں گے جبکہ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ وجود میں کسی کا محتاج ہے اور نہ صفات و کمالات میں کسی کا محتاج ہے۔ مخلوق میں ہرکوئی اپنے وجود میں بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور اپنی صفات و کمالات میں بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔

چنانچہ اس فرق کے تناظر میں ہمارا عقیدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے لیکن وہ اپنے زندہ ہونے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ دوسری طرف ہم بھی زندہ ہیں لیکن ہم اپنی زندگی کے لئے اس کی بخشی ہوئی حیات کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے لیکن اس کی صفتِ کلام کسی کی حاجت مند نہیں۔ ہم بھی کلام کرتے ہیں لیکن ہمارا متکلم ہونا اس صاحبِ کلام کا محتاج ہے۔ وہ بصیر ہے لیکن اس کا بصیر ہونا کسی کا محتاج نہیں۔ ہم بھی دیکھتے ہیں لیکن ہمارا دیکھنا اس کا محتاج ہے۔ وہ سمیع ہے بغیر حاجت کے، ہم سمیع ہیں اس کی حاجت کی بناء پر۔ وہ علیم و شہید ہے بغیر حاجت کے اور ہم علیم و شہید ہیں اس کے محتاج ہونے کے سبب سے، وہ رحیم، کریم، جواد اور رؤوف ہے بغیر حاجت کے لیکن ہم ہر معاملے میں اس کے محتاج ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفات ہیں وہ بغیر حاجت کے ہیں اور ہماری جملہ صفات اس کی عطا سے ہیں۔ اب اگر ہم خدا کو اس کی ذات کی بناء پر رؤوف مانیں اور مصطفیٰ ﷺ کو اس کی عطا کی بناء پر رؤوف مانیں تو ایسا

عقیدہ رکھنا ہرگز شرک نہیں ہوگا۔ اسی طرح اللہ کو **کریم، شہید، علیم، قدیر اور صمد بالذات** ماننا اور مصطفیٰ ﷺ کو **کریم، شہید اور علیم**، اللہ کا محتاج جان کر ماننا شرک نہ ہوگا۔

خالق اور مخلوق کی صفاتِ مشترکہ

کچھ صفات صاحبِ صفت یعنی صفت پیدا کرنے والے میں بھی ہوتی ہیں اور دوسروں میں بھی (بطورِ عطا) ہوتی ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے حال اور شان کے مطابق ہوتی ہیں جبکہ دوسروں میں ان کے حسبِ حال ہوتی ہیں۔ ایسی صفات جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ نہیں ہیں بلکہ مشترک ہیں ان کا مخلوق کے لئے ان کے حسبِ حال اثبات شرک نہیں ہوگا مثلاً

۱۔ اللہ دیکھنے والا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (۱)

”بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ۝“

لیکن قرآن مجید میں انسان کو بھی **سمیع و بصیر** کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًام بَصِيْرًا ۝ (۲)

”پس ہم نے اسے (ترتیب سے) سننے والا (پھر) دیکھنے والا بنایا ہے ۝“

۲۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ رؤف رحیم ہے، ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۳)

(۱) الاسراء، ۱:۱۷

(۲) الدھر، ۲:۷۶

(۳) البقرہ، ۲:۱۴۳

’’بے شک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے o‘‘

اور قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌo(۱)

’’بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق، بے حد رحم فرمانے والے ہیںo‘‘

۳۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

اِنَّ اللهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌo(۲)

’’بے شک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے o‘‘

اور حضور ﷺ کی نسبت فرمایا:

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ م بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًاo(۳)

’’پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گےo‘‘

فرمایا: اے محبوب! قیامت کا وہ کیا منظر ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک

(۱) التوبه، ۹:۱۲۸
(۲) الحج، ۲۲:۱۷
(۳) النساء، ۴:۴۱

شہید اٹھائیں گے اور اس کی شہادت اس کی امت تک محدود ہو گی لیکن جب تمام محدود شہادتوں والے شہید (گواہ) ایک ایک کرکے گزر جائیں گے تو پھر آخر میں محبوب تجھے سب گواہوں پر ایسا گواہ بنائیں گے کہ کائنات کی ہر شئے اوّل سے آخر تک تیری شہادت پر موقوف ہو گی، اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.(۱)

’’اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔‘‘

اللہ بھی **شہید** ہے بندے بھی **شہید** ہیں۔ اللہ بھی **رؤُف** ہے بندے بھی **رؤُف** ہیں۔ اللہ بھی **رحیم** ہے بندے بھی **رحیم** ہیں۔ اللہ بھی **کریم** ہے بندے بھی **کریم** ہیں۔ اللہ بھی کلام کرتا ہے اور اس کے بندے بھی کلام کرتے ہیں۔ جس طرح ارشاد فرمایا:

۴۔ وَكَلَّمَ اللهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ○(۲)

’’اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے (بلاواسطہ) گفتگو (بھی) فرمائی ○‘‘

اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ یہ صفاتِ مشترکہ ہیں لیکن **اَلْحَمْدُ** سے **وَالنَّاس** تک پورے قرآن میں کوئی ایسا مقام نہیں جہاں اس کے معبود ہونے کا ذکر ہے وہیں اس کے ساتھ کسی بندے کو بھی معبود کہا گیا ہو۔ اللہ خالق ہے۔ وہ عدم سے کائنات کو وجود میں لانے والا ہے۔ وہ موت و حیات کا مالک ہے لیکن یہ سب کچھ کسی بندے کے بارے میں نہیں کہا گیا۔

مشترک و غیر مشترک صفات کی ماہیت میں فرق

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ازروئے قرآن معبود ہونا اس کی

(۱) البقرة، ۲:۱۴۳

(۲) النساء، ۴:۱۶۴

غیر مشترک اختصاصی صفت ہے اور یہی قرآن بیان کر رہا ہے جبکہ **سمیع و بصیر** ہونا اس کی صفتِ مشترک ہے معبود ہونے میں کوئی اس کا شریک، سہیم اور ساجھی نہیں جبکہ **سمیع و بصیر، رؤوف رحیم** اور **شہید** جیسی صفات میں خالق کے ساتھ اس کے بندوں کا بھی ذکر ہے۔ اس کا جواب بڑا سادہ ہے اور وہ یہ کہ صفات کی ماہیئت میں فرق ہے۔ وہ صفت جو صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں کسی حال میں بھی نہ پائی جائے اس کو ''خاصۂ الُوہیت'' کہا جاتا ہے اور وہ صفت مشترکہ جو اللہ تعالیٰ میں اس کی شان اُلوہیت کے اعتبار سے اور بندے میں اس کی شانِ عبدیت کے اعتبار سے پائی جائے اس کو محض صفت کہا جائے گا خاصۂ اُلوہیت نہیں کہا جائے گا۔ جب اللہ رب العزت کی ذاتِ وحدہٗ لاشریک ٹھہری تو خاصہ صرف اور صرف اسی کے لئے مختص ٹھہرا۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے ثابت نہیں لہٰذا جو کوئی اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کو ایک لمحہ کے لئے بھی معبود کا درجہ دے وہ کافر اور مشرک ہے، خواہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت ہی سے ایسا اعتقاد کیوں نہ رکھے۔

لہٰذا مسلمانوں کا یہ مسلّمہ عقیدہ ہے کہ لمحہ بھر کے لئے بھی حضور ﷺ کو معبود سمجھنا کفر و شرک ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو ان صفات سے متصف کرنا جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اس کا تصور کرنا بھی کفر و شرک ہے کیونکہ یہ صفات خاصۂ الُوہیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات کی نسبت ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ آپ ﷺ کی عبادت کی جا سکتی ہے۔ پس ان دو چیزوں میں یہ فرق ٹھہرا کہ کچھ صفات ایسی ہیں جو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ کسی اور کے لئے نہیں اور کچھ صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے بھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی شان کے لائق ہیں اور غیر کے لئے اس کی شان کے لائق ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہم عبادت کرتے ہیں جو کمال درجے کی تعظیم ہے جبکہ اپنے والدین کی بھی تعظیم کرتے ہیں لیکن عبادت میں والدین کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ (عبادت اور تعظیم میں فرق پر تفصیلی بحث ہماری کتاب ''کتاب التوحید (جلد دوم)'' باب توحید اور تعظیم میں ملاحظہ کریں جو الگ بھی شائع ہو چکا ہے)۔

پانچواں رکنِ توحید: لا والدیت (کسی کا والد نہ ہونا)

سورۂ اخلاص کی آیت نمبر ۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَمْ يَلِدْ. ’’نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔‘‘

پیدا ہونے والے کو بیٹا یا بیٹی کہتے ہیں جو باپ کا جزو ہوتے ہیں۔ بیٹے سے جزئیت ثابت ہوتی ہے اور کُل کا کچھ نہ کچھ اثر جزو میں آتا ہے۔ اگر خدا کا (معاذ اللہ) کوئی بیٹا ہوتا تو پوری نہ سہی کچھ نہ کچھ خدائی اس میں بھی آ جاتی کیونکہ بیٹا ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی اُلوہیت کے اوصاف اس میں کسی حد تک منتقل ہو جائیں۔ سورۂ اخلاص کی اس آیت مبارکہ میں اس چیز کی مکمل نفی کی گئی ہے۔

فرشتوں کے بارے میں یہودی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللهِ وَ قَالَتِ النَّصَارٰی الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ. (۱)

’’اور یہود نے کہا: عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا: مسیح (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔‘‘

لطیف علمی استدلال

یہود و نصاریٰ کے عقیدے کا رد حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے کرایا گیا۔ ارشاد فرمایا:

(۱) التوبة، ۹: ۳۰

قُلۡ اِنۡ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ○[1]

’’فرما دیجئے کہ اگر (بفرضِ محال) رحمان کے (ہاں) کوئی لڑکا ہوتا (یا اولاد ہوتی) تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا○‘‘

آپ ﷺ سے کہلوایا گیا کہ اے یہود و نصاریٰ! تم جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے۔ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ یقیناً عبادت کے لائق ہوتا اور میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں ہوتا کیونکہ سب سے پہلا عبادت گزار اس کائنات میں مجھے بنایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ○ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ○[2]

’’فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج وقربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے○ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں (جمیع مخلوقات میں) سب سے پہلا مسلمان ہوں○‘‘

قرآن نے اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو اور بیٹا ہو کر بھی خدا نہ ہو تو اس کی خدائی پر حرف آتا ہے۔ اسی طرح اگر بیٹا ہو کر خدا ہو تو بھی اس کی خدائی میں شرک واقع ہوتا ہے اس لئے بیٹے سے پاک ہونے کا قطعی اعلان ہوا تاکہ نہ خدائی پر حرف آئے اور نہ خدائی میں شرک لازم آئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اللہ تعالیٰ کا کوئی جزو ہونا یا اس کا بیٹا ہونا اور اس کے نور کے براہِ راست پرتو سے تخلیق میں آنے میں بنیادی فرق ہے۔

(۱) الزخرف، ۴۳:۸۱

(۲) الانعام، ۶:۱۶۲-۱۶۳

حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے جب انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! اللہ نے سب سے پہلے کسے پیدا فرمایا تو حضور ﷺ نے جواب دیا:

إن اللہ خلق قبل الأشیاء نور نبیک من نورہ.[1]

''بیشک اللہ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔''

اس حدیثِ مبارکہ کے معنی و مفہوم سے بعض لوگ التباس اور مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ''نور نبیک من نورہ'' کے کلمات جزئیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک مغالطہ آفرینی ہے۔ ''لا والدیت'' اور مذکورہ حدیث دو الگ الگ چیزیں ہیں ان کا آپس میں التباس اور شائبہ پیدا ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ نور سے تخلیق مراد ہے، جزئیت ہرگز نہیں، جزئیت عقیدۂ باطل ہے۔

اس کا مطلب نہ تولد ہے اور نہ خدا کا جزو ہونا۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے نور کا جزو ٹھہرایا بلکہ اپنے نور سے پیدا فرمانے کا معنی حدیث مذکورہ کے مطابق یہ ہے کہ اپنے نور کے براہِ راست فیض سے اللہ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔ اس معنی کی تصریح مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نشر الطیب کے پہلے باب نورِ محمدی ﷺ کے بیان میں مذکورہ بالا حدیث کے تحت یہی کی ہے کہ ''تیرے نبی کا نور اپنے نور کے براہِ راست فیض کے پرتو سے پیدا فرمایا۔''

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، باب فی تخلیق نور محمد ﷺ، ۱:۱۸
۲۔ قسطلانی، المواھب اللدنیۃ، ۱:۹
۳۔ حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ۱:۳۱

چھٹا رکنِ توحید: لاولدیت (کسی کی اولاد نہ ہونا)

سورۂ اخلاص کی آیت نمبر۳ میں فرمایا:

وَ لَمْ یُوْلَدْ○ ’’اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا○‘‘

جب اس کی طرح کوئی نہیں ہے تو اس کی کوئی اصل کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنے والا بھی ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ پر بھی فائق ہو گا کیونکہ باپ بیٹے پر تقدمِ زمانی اور وجود میں لانے کا سبب ہونے کی بنا پر بھی فائق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی باپ نہیں ہے اس لئے خدا پر نہ کوئی فائق ہے اور نہ مقدم۔ بیٹا اپنے وجود میں آنے کے لئے باپ کا محتاج ہوتا ہے جبکہ خدا کسی کا محتاج نہیں اور ہر کوئی اس کا محتاج ہے۔ اس سورۂ توحید میں پیدائش اور ولادت کا ذکر دو طرح سے بیٹے کے طور پر اور باپ کے طور پر ہوا کہ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اگر کسی کی طرف ولادت منسوب ہو جائے، خواہ ولادت دینا ہو یا ولادت پانا، تو وہ سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ جو خدا ہوتا ہے وہ نہ پیدا ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوتا ہے۔

جشنِ میلادالنبی ﷺ ردِّ شرک کا اجتماعی اعلان ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے ان کے معجزات کو دیکھا، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھوں کو شفایاب کرنا، مادرزاد نابینا کو صحت مند اور توانا بنانا، ان معجزات اور تصرفات و کمالات کو دیکھ کر امت نے انہیں خدا کے مقام پر فائز کر دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات، معجزاتِ مصطفوی ﷺ کا درجہ نہیں رکھتے۔ حضور ﷺ کے معجزات تو ان تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر حاوی ہیں جن کی امتوں نے ان کے کمالات دیکھ کر ان کی نسبت خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

امتِ مصطفوی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ اس نے اس امت کو یہ

شعور عطا کیا کہ وہ قیامت تک ربیع الاول کے مہینے میں اپنے پیارے نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں جشن مسرت مناتی ہے۔ حزم و احتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑے کہ سید المرسلین ﷺ جو ''بعد از خدا بزر گ توئی'' کے حق دار ہیں، خدا نہیں بلکہ اللہ کے پیدا کردہ برگزیدہ نبی ﷺ ہیں کیونکہ جو پیدا ہوتا ہے وہ خدا نہیں ہوتا تو گویا میلادِ مصطفیٰ ﷺ منانا اعلانِ توحید ہے اور نصاریٰ کے برعکس امتِ مسلمہ کا یہ عمل دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت ہر شرک کے تصور کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے مترادف ہے۔ حضور ﷺ کا میلاد نہ منانے سے شرک کا شائبہ ہوسکتا تھا کہ امت حضور ﷺ کی ولادت کیوں نہیں مناتی۔ کہیں کوئی یہ تو نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ پیدا نہیں ہوئے لہٰذا واضح ہوا کہ ولادت منانا شرک نہیں بلکہ ردِ شرک کا اجتماعی اعلان ہے۔

www.MinhajBooks.com

ساتواں رکنِ توحید: لا کفویت

(کسی کا اللہ تعالیٰ کا ہمسر و ہم رتبہ نہ ہونے کا بیان)

وَ لَم یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ○

’’اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے○‘‘

اس کا کوئی ہمسر اور ہم پلہ نہیں، نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔ وہ اپنی تمام صفتوں میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی صمد ہے نہ کوئی احد، (کوئی اللہ کے سوا) لَمْ یَلِدْ ہے اور لَمْ یُوْلَدْ، وہ سلسلۂ تولید و تولُّد سے یکسر پاک ہے۔ کوئی واجب الوجود ہے اور نہ کوئی واجب الارادہ، ان ساری صفتوں میں اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور ہر کوئی اس کا محتاج اور تابع ہے۔ اس کا کوئی شریک، ہم پلہ اور کفو نہیں۔

خلاصۂ کلام

سورۂ اخلاص میں بیان کردہ سات ارکان کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ایک ماننا عقیدۂ توحید ہے اور ان سات ارکان میں سے کسی ایک رکن کا بھی انکار اور اس سورت میں بیان کردہ صفات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ لیکن جن جائز امور سے اس سورت میں منع نہیں کیا گیا وہ اپنی جگہ حق ہیں۔ ان جائز امور کو شرک بنانا اور توحید کو توحید کے تقاضوں سے نکالنا افراط وتفریط کا شکار ہونے کے مترادف ہے۔ اس لئے دین اور شریعت مصطفوی ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے تمام طبقات توحید اور ردِشرک کے مسئلہ میں افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال و میانہ روی کی راہ کو اپنا شعار بنائیں۔

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۳۔ **بغوی،** ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ **معالم التنزیل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

٤۔ **حلبی،** علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ) ۔**السیرۃ الحلبیۃ/ إنسان العیون۔** بیروت، **لبنان**، دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۵۔ **سیوطی،** جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ **الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ۔

٦۔ **طبری،** ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۷۔ **عبدالرزاق،** ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۸۔ **غزالی،** حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ) ۔ **المنقذ من الضلال**۔ قاہرہ، مصر: مطبعۃ الاعلامیۃ، ۱۳۰۳ھ۔

۹۔ **قسطلانی،** ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک بن احمد بن محمد بن حسین بن علی (۸۵۱۔۹۲۳ھ/ ۱۴۴۸۔۱۵۱۷ء)۔ **المواھب اللدنیہ**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۱۰۔ **مسلم،** ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۱۔ **نسفی،** عبداللہ بن محمود بن احمد نسفی (۷۱۰ھ) ۔**مدارک التنزیل و حقائق التأویل**۔ بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔